کہانی خواب لگتی ہے

محمد گل نازک

انتساب

ان سپنوں کے نام
جو کبھی اپنے تھے

نازک

”کہانی خواب لگتی ہے“

رومانی تصور پرستی خواب، خواہش اور خیال کے امتزاج سے مکمل ہوتی ہے۔ ہماری نئی نسل کے شعراء فنی حیثیت میں نہ سہی لیکن غیر معمولی موضوع کے انتخاب کے ساتھ یک گونہ وابستگی رکھتی ہے۔ اسی نوجوان نسل کا شاعر محمد گل نازک انداز تکمیل کے ساتھ خواب اور خواہش کے مابین اظہار مضمون سے مطابقت پیدا کر کے اپنی شاعری ہمارے سامنے لایا ہے۔ تاکہ احساس کے غلبے اور انفرادیت کے اجتماعی احساس کی سپردگی میں اس امر کا جائزہ لیا جاسکے۔ کہ نازک کی شاعری موجودہ عہد میں کتنے تعارف کی محتاج ہے۔

محمد گل نازک کے پاس ذاتی تجربات، غم اور خوشی کے لمحے انوکھے ہیں۔ مگر اس کی ذہنی کشمکش اتنی شفاف ہے۔ کہ اس کے خوابوں میں جذبے کی آنچ اور احساس اور عزم کو آسانی سے دیکھا جاسکتا ہے۔

”کہانی خواب لگتی ہے“۔ یہ ایک عنوان ہے۔ جس سے انسانی شعور کی وسعت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ چنانچہ فکری صلاحیت اور عمومی استعاروں سے بھرپور حقیقت اور رومانی رجحان کی نمائندگی کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ گل نازک کے چند اشعار دیکھئے:۔

ڈوب جاتی ہے کنارے پہ بھی کشتی اکثر
سفر میں ناؤ کو اک ناخدا ضروری ہے

ہزار بار گئے کوچہء جاناں میں مگر
ہر ایک بار دل شکستہ، تشنہ دید آئے

دل ڈوب گیا اپنا شب بیت گئی لیکن
پیوستہ جگر میں اک تلوار ابھی تک ہے
اب ڈوبنا ہی شاید مقدر میں ہے لکھا
اب دسترس میں کوئی کنارہ نہیں رہا

محمد گل نازؔک کی شاعری میں ایک ایسا رویہ موجود ہے۔جس سے ردعمل کا شائبہ پیدا ہوتا ہے۔لہذا نازؔک کی ذہنی اور جذباتی ضروریات کا اندازہ لگانے میں مشکل پیش نہیں آتی۔نازؔک کی شاعری کی چند خصوصیات ایسی ہیں۔جنہیں سراہا جانا بہت ضروری ہے۔پہلی وجہ تو یہ ہے۔کہ اس کی شاعری اور عوامی زندگی میں کوئی حد فاصل نہیں۔دوسری وجہ براہ راست عوامی مخاطبہ ہے۔جس سے ایک رابطہ پیدا ہوا ہے۔چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے۔کہ محمد گل نازؔک اپنی شاعری کو دوستوں کی محفل میں لے آیا ہے۔لہذا اس کی شاعری عوام کے اتنے قریب ہے۔کہ اس کی گرفت میں اس کے دوست اور عوام دونوں آگئے ہیں۔اس کی تیسری خوبی یہ ہے۔کہ اس کی علامتیں آسان اور مختصر ہیں۔اس طرح اس کی شاعری کو خواب کے دامن سے نکال کر حقیقت کی دنیا میں لے آئی ہے۔اس طرح خواب اور حقیقت مدمقابل

دکھائی دینے لگتے ہیں۔ چنانچہ مفہوم اور اظہار ایک آدرش کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ اور اسی میں نازک کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔

ڈاکٹر رشید نثار
۲۰۹ ڈھیری حسن آباد راولپنڈی
فون نمبر 5532909

حمد باری تعالیٰ

سب سے بلند، بالا، ذیشان تیری قدرت

سبحان تیری قدرت، سبحان تیری قدرت

تو ہی کریم یا رب، تو ہی رحیم یارب

تو ہی عظیم برتر بُرھان تیری قدرت

مشکل کشا بھی تو ہے، حاجت روا بھی تو ہے

ہر چیز سے ہے ظاہر رحمٰن تیری قدرت

تو ہی نہاں ہے سب میں تو ہی عیاں ہے سب پہ

یا قوت دے گواہی مرجان تیری قدرت

تڑپائے جس کو دنیا، پوچھے نہ جس کو کوئی

دیتی ہے اس کو یا رب عرفان تیری قدرت

پھیلے ہوئے ہیں تیری قدرت کے ہر سو جلوے

اشجار، خار، نازک ریحان تیری قدرت

نعت رسول مقبول ﷺ

دن رات ترستا ہے، دیدار کو تڑپے دل
الفت میں مدینے کے انوار کو تڑپے دل

واپس میں نہ آؤں گا اب شہر نبی ﷺ جا کر
اے والیِ بطحا سن یوں پیار کو تڑپے دل

رو رو کے مدینے میں سرکار کے روضے پر
بخشش کی سفارش کے اصرار کو تڑپے دل

لا دے نہ کہیں واپس یہ باغ ارم جا کر
جس طرح محمد ﷺ کے دربار کو تڑپے دل

دامن میں نہیں کچھ بھی نازک کے مگر پھر بھی
کچھ جا کے مدینے میں اظہار کو تڑپے دل

☆☆☆☆

نعت شریف

شاہوں سے کم نہیں کچھ تیرا غلام آقا
اے رحمتِ دو عالم، خیرُ الانام آقا

ہیں شہنشاہ بھی سب چاہیں تیری غلامی
کیا شان ہے نرالی کیا ہے مقام آقا

نسبت سے تیری ذرے معراج پا رہے ہیں
کتنا کرم تمہارا ہے صبح و شام آقا

جی چاہتا ہے بھیجوں ہر دم دل و زباں سے
تجھ پر درُود آقا' تجھ پر سلام آقا

مخلوق سے بیاں ہو تعریف کیا تمہاری
خالق درُود بھیجے جس پر مدام آقا

ہو جائیں خواب ہی میں جلوہ فگن کسی دن
حسرت یہی ہے نازؔ، سن لیں پیام آقا

☆☆☆☆

قائداعظم محمد علی جناح

محسن ہے راہ نما ہے بے مثل لاجواب
تو چندِ آفتاب ہے تو چندِ ماہتاب

آزاد تیرے دم سے ہے ہر بے کس و محتاج
پہنا ہے ہر کسی نے جو آزادیوں کا تاج
قائم تمہارے دم سے ہے گلشن پہ آب و تاب
تو چندِ آفتاب ہے تو چندِ ماہتاب

تو کر گیا وہ قائد ایسا عظیم کام
کرتی ہے قوم تیری بصیرت کو سب سلام
ہر گام سرخرو رہا ہر جا تو کامیاب
تو چندِ آفتاب ہے تو چندِ ماہتاب

دل ہم نذر کریں یا کہ جان و جگر کریں
اے قائد وطن کیا تجھ کو نذر کریں
احسان تیرے ہم پہ قائد ہیں بے حساب
تو چندِ آفتاب ہے تو چندِ ماہتاب

زندہ ہے تو دلوں میں سدا زندہ ہی رہے گا
یہ ملک یہ وطن تیرا پائندہ ہی رہے گا
کھلتے رہیں سدا یاں چنبیلی و گلاب
تو چندِ آفتاب ہے تو چندِ ماہتاب

کوہ چاغی

زیر پل میں کیا جو دشمن بے لگام
کوہ چاغی ترے غازیوں کو سلام

جن کے دم سے ملی اک نئی زندگی
سب کے چہروں پہ آنے لگی تازگی
جن کے دم سے ملا زندگی کو دوام
کوہ چاغی ترے غازیوں کو سلام

باطلوں کے ارادے ملے خاک میں
کیسی تاثیر تھی یہ تیری راکھ میں
نیند پل میں ہوئی دشمنوں کی حرام
کوہ چاغی ترے غازیوں کو سلام

وہ جو حق پہ تھے سب مسکرانے لگے
شاطروں کے قدم ڈگمگانے لگے
امر تاریخ میں ہو گیا تیرا نام
کوہ چاغی ترے غازیوں کو سلام

ان کو چاہیں گے اہل وفا ہر گھڑی
یاد رکھیں گے تیری ضیاء ہر گھڑی
ان پہ نازاں رہے گی یہ ملت مدام
کوہ چاغی ترے نازیوں کو سلام

معجزہ تھا عجب وہ تیرا بانکپن
جی اٹھے پھر سے نازک سب اہل چمن
کپکپانے لگا خود عدو بے نیام
کوہ چاغی ترے نازیوں کو سلام

کشمیر

ظالم ہے آج، کل سرِ شمشیر بھی ہو گا
آزاد ایک دن میرا کشمیر بھی ہو گا

مٹ جائیں گے آخر یہ گھٹا ٹوپ اندھیرے
مہکیں گے نئی شان سے پھر شام سویرے
اب مہربان والیِ تقدیر بھی ہو گا
آزاد ایک دن میرا کشمیر بھی ہو گا

نذرانہ جاں دیتے ہیں جس شان سے فرزند
کھاتے ہیں سرِ بزم اسی بات پہ سوگند
جنت آخرش یہ۔ جنت نظیر بھی ہو گا
آزاد ایک دن میرا کشمیر بھی ہو گا

بکھرے ہیں جا بجا جو لہو رنگ فسانے
قدموں میں جھکا دیں گے یہ اک روز زمانے
اک دن یہ لہو لائق توقیر بھی ہو گا
آزاد ایک دن میرا کشمیر بھی ہو گا

ظالم ہے آج، کل سرِ شمشیر بھی ہو گا
آزاد ایک دن میرا کشمیر بھی ہو گا

یوم آزادی

چھٹ گئے تار غظلم روشنی مل گئی
آج ہم کو نئی زندگی مِل گئی

رنگ لایا شہیدوں کا جب سے لہو
خشک پتوں کو بھی تازگی مِل گئی

جس کی خواہش ہمارے دلوں کو رہی
وہ ، خوشی مِل گئی وہ ہنسی مل گئی

خواب دیکھا تھا اقبال نے جو کبھی
اس حسیں باغ کی دلکشی مِل گئی

دو دعائیں سدا ان شہیدوں کو تم
جن کے صدقے ہمیں یہ خوشی مِل گئی

کٹ گئی ساتھیو اپنی نازک گھڑی
خوش ہو کہ اب نئی زندگی مل گئی

یومِ تکبیر

نوازش مہربانی اور کرم احسان کا دن ہے
مبارک ہو۔ مبارک ہو یہ پاکستان کا دن ہے
اندھیروں سے نکالا اور رب نے روشنی بخشی
غم و آلام کے بدلے مسرت اور خوشی بخشی
جہاں میں پاک دھرتی کی نئی پہچان کا دن ہے
نوازش، مہربانی اور کرم احسان کا دن ہے
مبارک ہو۔ مبارک ہو یہ پاکستان کا دن ہے
شگوفے کھل گئے چہروں پہ جو مغموم تھے اب تک
جری غازی ہوئے سارے وہ جو معصوم تھے اب تک
یہ راوی خیبر و مہراں، بلوچستان کا دن ہے
نوازش، مہربانی اور کرم احسان کا دن ہے
مبارک ہو۔ مبارک ہو یہ پاکستان کا دن ہے
دعاؤں کا ثمر ہے یہ ہماری ماؤں بہنوں کی
نہیں پرواہ کوئی جن کو کبھی زنار گہنوں کی
نہایت فخر کا دن ہے بڑے ہی مان کا دن ہے
نوازش، مہربانی اور کرم احسان کا دن ہے
مبارک ہو۔ مبارک ہو یہ پاکستان کا دن ہے

ہیں دشمن دین کے جتنے سبھی حیراں ہراساں ہیں
جو سچے دوست ہیں نازک بہت نازاں ہیں شاداں ہیں
یہ دن تکبیر کا اب صاحب ایمان کا دن ہے
نوازش، مہربانی اور کرم احسان کا دن ہے
مبارک ہو مبارک ہو یہ پاکستان کا دن ہے

غزل

پی گئی یوں دھیرے دھیرے سب سچائی مصلحت
اہل دل بھی دے رہے ہیں اب دھائی مصلحت

دل میں نہ مدفون ہوتیں سربریدہ خواہشیں
کاش ہو جاتی جہاں سے اک تباہی مصلحت

یاد رکھے گی حشر تک مصلحت بھی دیکھنا
جس طرح اور جس قدر ہم نے نبھائی مصلحت

پی رہا ہوں میں ازل سے تلخیاں سب گھول کر
ناگہاں کیوں آن ٹپکی بن بلائی مصلحت

عشق تڑپے رات دن ایک جلوے کے لئے
ماہ رخوں کو دل لگا کر یاد آئی مصلحت

بات گرچہ تلخ ہے نازک مگر سچ ہے یہی
زندگی کے بحر میں ہے اک سچائی مصلحت

☆☆☆☆

غزل

کریں یوں تو سارے زمانے کی باتیں
سنیں نہ مگر دل ملانے کی باتیں

دکھاؤں جو میں داغ فرقت تو بولیں
اجی چھوڑیئے۔ دل دکھانے کی باتیں

سنا ہے دہراتے ہیں دل میں اکثر
چلا جائے جب۔ اس دیوانے کی باتیں

وہ بولے کبھی نہ زمانے کے ڈر سے
میں چاہوں سدا مسکرانے کی باتیں

خزانے سے کم کچھ نہیں لب وہ رخسار
کریں جو ازل سے ستانے کی باتیں

خدا کی قسم۔ جان جاتی ہے نازک
خدارا نہ کر جان۔ جانے کی باتیں

☆☆☆☆

غزل

کچھ لوگ اچانک جیون میں یوں چپکے سے آ جاتے ہیں
پہلی ہی نظر میں نینوں سے وہ دل میں جا بس جاتے ہیں

لوگوں کو بنا کر دیوانہ وہ خود بھی پریشاں رہتے ہیں
ملنے کی اجازت ملتی ہے نہ بھولے سے خود آتے ہیں

ہم گھومے نگری، نگری مگر کچھ بھی نہ کہیں آرام ملا
یہ مرض نہیں ہے جسمانی۔ سب دل کا روگ بتاتے ہیں

پہلے تو جلائیں جاں و جگر پھر کہتے ہیں خاموش رہو
بڑھ جائے حد سے درد اگر دیوانے تو چلاتے ہیں

نازک ہے عجب دستورِ وفا۔ ہم سمجھے یہ ابتک واللہ
دل کر کے جفاؤں سے چھلنی پھر خود مرہم بن جاتے ہیں

☆☆☆☆

غزل

اب کے بہار بن میں وہ گل کھلا رہی ہے
کنجِ قفس میں بھی اک خوشبو سی آ رہی ہے

مانا نصیب اپنے ہیں کم نصیب لیکن
اِک آس ہے جو دل کو جھولے جھلا رہی ہے

دامن بچا کے گزرے تو ہم سے لاکھ ظالم
قدموں کی لڑکھڑاہٹ سب کچھ بتا رہی ہے

لے کر وہ نام میرا خاموش ہو گئی ہے
قفلِ زبانِ بلبل کیا حشر ڈھا رہی ہے

قاتل سنبھال رکھنا توبہ شکن ادائیں
تقدیر خود بخود ہی مقتل سجا رہی ہے

آئی بہار ہم پہ آثار ہی نہ کوئی
یادوں کی سرسراہٹ دل گدگدا رہی ہے

نازاں رہیں گے تارکِ شمس و قمر ستارے
خوشبو چمن میں جن کے نغمے سُنا رہی ہے

غزل

لے لیں نہ جان ہی میری جذبات کسی پل
بدلیں نہ جو بھولے سے کبھی حالات کسی پل

اِک حشر بپا ہے میرے اندر بھی ازل سے
اِک ہوش میں آنے نہ دیں صدمات کسی پل

بپھرے ہوئے پھرتے ہیں کچھ شداد ہر گھڑی
کچھ چین دل لینے نہ دے دن رات کسی پل

بچھڑے نہ کسی وقت بھی وہ جب سے ملے پر
بیٹھے نہیں مل بیٹھ کے اک ساتھ کسی پل

شعلوں میں جلایا گیا ہوں زیست بھر مگر
چاہی گئی کبھی نہ میری ذات کسی پل

کس کس سے چھپاتا پھروں نازک اداسیاں
ہوتی نہیں کم درد کی سوغات کسی پل

☆☆☆☆

نظم

پھولوں کی چمک نہ ماند پڑے تاریخ ایسی دہراؤ کچھ
جذبوں کی دمک نہ ماند پڑے تاریخ ایسی دہراؤ کچھ

گھبراؤ کبھی نہ باطل سے ٹکراؤ ہمیشہ قاتل سے
خود رہنا سدا طوفاں میں مگر توڑو نہ رشتہ ساحل سے
الفت کی دھنک نہ ماند پڑے تاریخ ایسی دہراؤ کچھ
جذبوں کی دمک نہ ماند پڑے تاریخ ایسی دہراؤ کچھ

ستاؤ نہ دم لو رستے میں آگے آگے بڑھتے جاؤ
ہر گام ہر دم یہ یاد رہے اللہ اکبر پڑھتے جاؤ
گلشن کی مہک نہ ماند پڑے تاریخ ایسی دہراؤ کچھ
جذبوں کی دمک نہ ماند پڑے تاریخ ایسی دہراؤ کچھ

آنا نہ عدو کی چالوں میں، بس ہمت و جرأت سے جینا
دکھلائے کبھی نہ پیٹھ کوئی ہو جائے اگر چھلنی سینہ
غیرت کی جھلک نہ ماند پڑے تاریخ ایسی دہراؤ کچھ
جذبوں کی دمک نہ ماند پڑے تاریخ ایسی دہراؤ کچھ

غزل

شعلوں کو چھو لیا کہ قیامت کو چھو لیا
شوق سفر میں برق محبت کو چھو لیا

لازم نہیں کہ گردش دوراں ہی مار دے
بے ساختگی میں دل نے حرارت کو چھو لیا

اب آسماں بھی ہم پہ کرے گا نوازشیں
اس بار ہم نے بحر عنایت کو چھو لیا

یا رب تو ماہ رخوں کی چمک اور دے بڑھا
جنکے طفیل ہم نے بھی رفعت کو چھو لیا

دنیا کا خوف دل میں نہ روز حساب کا
نازک نے جب سے راہ صداقت کو چھو لیا

☆☆☆☆

غزل

دل سلامت ہو تو اس پہ نگاہ ضروری ہے
بے سبب دھڑکے تو کوئی دوا ضروری ہے

ڈوب جاتی ہے کنارے پہ بھی کشتی اکثر
سفر میں ناؤ کو اک نا خدا ضروری ہے

بے خبر سمجھو اسے دل نہ نارسا جانو
وہ باخبر ہے مگر التجا ضروری ہے

بجا کہ مصلحت اندیش ہے ساری دنیا
ہے آدمی۔ تو ذرا سی انا ضرور ی ہے

صلہ ملے نہ ملے اب نازک نصیب کی بات
گلی، گلی۔ نگر، نگر صدا ضروری ہے

☆☆☆☆

غزل

بہار آئے میری دنیا میں نہ ہی عید آئے
اب کے برس تو کوئی دید کی نوید آئے

ہزار بار گئے کوچۂ جاناں میں مگر
ہر ایک بار دل شکستہ، تشنہ دید آئے

بڑے جتن کئے چھونے کے وہ انگار سے لب
برے نصیب تھے یاں سے بھی نا امید آئے

ہماری عید تو منسوب اس کی دید سے ہے
وہ نہ آئے تو خدایا کبھی عید آئے

اب کے نازک وہ جفاکار بنے ہیں اتنے
نہ آئے خود نہ سندیسہ شوق دید آئے

☆☆☆☆

غزل

مٹنے والے مٹ گئے لیکن وفا کے نام پر
داغ نہ آنے دیا کوئی کسی احرام پر

جس کو چاہا تھا ازل سے تا ابد اس کے رہے
اہل دل رکھتے نہیں نظریں کبھی انجام پر

ازل سے حائل رہا بس ایک پردہ درمیاں
ورنہ منزل تو کھڑی تھی سامنے دو گام پر

اے اجل ٹھہرو ذرا میں بھی نظر اک دیکھ لوں
بے نقاب آنے کو ہیں قاتل ہمارے بام پر

مل سکی سچی خوشی اور نہ ہی بیداری گئی
کر گیا نازؔک قناعت جو یہاں اک جام پر

☆☆☆☆

غزل

تعریف ہو مبارک، تائید ہو مبارک
لوگوں سے چاہتوں کی تجدید ہو مبارک

گلیوں میں پھر رہا ہوں دیتا ہوا صدائیں
غیروں کی ظلتوں کی تقلید ہو مبارک

ہم تو نکل رہے ہیں محفل سے تیری لیکن
تجھ کو یہ چاند، تارے خورشید ہو مبارک

کہتے ہیں عید ہو گی کل پھر تمہارے گھر میں
سچ ہے اگر تو ظالم پھر عید ہو مبارک

بخشیؔ بھنور کو جس نے ناؤ ہماری نازک
میری طرف سے ان کو ہر عید ہو مبارک

☆☆☆☆

غزل

دیدار کی پیاسی نظروں کو اک بار قرار بھی آئے گا
اتراؤ نہ اتنا اے ساقی بن جام خمار بھی آئے گا

پچھلی ہے جو تن، من پہ میری ہے قسم مجھے اس پت جھڑ کی
مرجھائے ہوئے ان پھولوں پہ اک روز نکھار بھی آئے گا

دیکھا جو تڑپتے عنبروں کو شدت سے اپنی میت پر
دل اب یہ گواہی دیتا ہے اک روز تو پار بھی آئے گا

بھولا ہے بہت کمسن ، نادان وہ رمز محبت کیا جانے
جب عشق کا سورج چمکے گا وہ لوٹ کے دار بھی آئے گا

تڑپاؤ نہ اے دل آخر شب چلنے کو ہے باد بہار ابھی
جب آئے گا اپنی مستی میں وہ توڑ مہار بھی آئے گا

تم جیتو سدا میں ہاروں سب ہر بازی یہ لازم تو نہیں
اک روز تو نازک ہاتھوں میں خوشیوں کا ہار بھی آئے گا

☆☆☆☆

غزل

بیتے ان لمحوں کی مہکار ابھی تک ہے
یادوں کی مرے دل میں جھنکار ابھی تک ہے

آئے گا کبھی نہ وہ زخموں پہ دوار رکھنے
کس آس پہ زندہ یہ بیمار ابھی تک ہے

دل ڈوب گیا اپنا شب بیت گئی لیکن
پیوستہ جگر میں اک تلوار ابھی تک ہے

لے لو بہ قدر حاجت کچھ داغ الم لوگو
زخموں کا کھلا دیکھو بازار ابھی تک ہے

یادوں کے دریچے سب رہنے دو کھلے نازکؔ
بے تاب نظر کوئی اس پار ابھی تک ہے

☆☆☆☆

غزل

شب ڈھونڈ رہے ہو کہ بقا ڈھونڈ رہے ہو
کچھ ہم کو بتاؤ دل کیا ڈھونڈ رہے ہو

پھرتے ہو پریشاں سے گلیوں میں کس لئے
تم کون ہو اور کس کا پتہ ڈھونڈ رہے ہو

صحرا میں کھلی کلیاں دیکھا نہ کبھی یہ
راتوں میں سحر کی کیوں ضیا ڈھونڈ رہے ہو

گاؤں میں بھی شے کوئی اب نہ ملے خالص
پاگل ہو جو شہروں میں وفا ڈھونڈ رہے ہو

ناز‌ک ہے ریاکار و بے مہر ہمیشہ
جس بزم میں تم جگ کا بھلا ڈھونڈ رہے ہو

☆☆☆☆

نیا سال مبارک

مبارک مبارک نیا سال سب کو
مبارک مبارک نیا حال سب کو
کرو ابتدا سارے نامِ خدا سے
کرو ابتدا سال کا اس دعا سے
تیری ذاتِ اعلیٰ، ہے سارے جہاں سے
تو رحمٰن اور تو ہی اکبر ہے آقا
کرم کر گنہگار بندوں پہ اپنے
رحم کر خطاکار بندوں پہ اپنے
معاف ہر ہماری خطا کر دے آقا
قبول ہر ہماری دعا کر دے آقا
کسی کو ملے گی محبت امانت
کسی کی امانت میں ہو گی خیانت
ہزاروں سپوتوں کے سہرے بندھیں گے
ہزاروں یتیموں کے چہرے جلیں گے
ہزاروں کے ارمان نکلیں گے دل سے
ہزاروں ملیں گے گلے جا کے گل سے

خوشی اور غم کے ہیں ساتھی پرانے
گزرتے رہیں گے یونہی یہ زمانے

ادا کر دو حق سارا جو اپنے سر ہے
کل آئے نہ آئے یہ کس کو خبر ہے

دیتا ہوں مبارک میں ہر حال میں سب کو
مبارک ہو تازک نیا سال سب کو

☆☆☆☆

غزل

نہ اس کے آنے کا کوئی موسم نہ روٹھ جانے کا کچھ پتہ ہے
کسی کی مانے نہ خود کو جانے عجیب پتھر سے دل لگا ہے

نہ کوئی الفت دکھائی اس نے نہ کوئی بگڑی بنائی اس نے
وہ میرا ہوگا کبھی نہ پھر بھی وہ میرے دل میں بسا ہوا ہے

نہ منتوں سے وہ رام ہوگا نہ دوستوں سے یہ کام ہوگا
پلٹ کے آئے نہ جانے کب پھر جو آج مجھ سے خفا گیا ہے

عجیب موسم پہ آ کے ٹھہری ہماری الفت کی یہ کہانی
کوئی شکایت نہ اس سے مجھ کو نہ مجھ سے کوئی اسے گلہ ہے

میں خوب جانوں اسے اے لوگو جو نگری نگری غموں کے بدلے
بکھیرتا ہے ہزاروں خوشیاں خوشی کو کتنا ترس رہا ہے

وہ جبر کرتا ہے خود پہ کتنا کہ ظلم بھی سر جھکا کے روئے
معاف کرتا ہے خود کو نازک نہ جان و دل کی کوئی خطا ہے

☆☆☆☆

غزل

جن پر ہوتا ہے گھمنڈ دیتے ہیں دغا اکثر
گردانے جاتے ہیں مجرم یاں بے خطا اکثر

وہ بے نیاز بخش دیتا ہے ہر بار مگر
قیامت ڈھانے میں دل پہ یہ ناخدا اکثر

مانگ ہی لیتا کسی دن اسے خدا سے مگر
قبول ہوتی ہے لوگو میری دعا اکثر

وہ بال و پر پہ ہے نازاں اسے معلوم نہیں
عرش چھو آتے ہیں دیوانے بے نوا اکثر

حال پوچھا نہیں نازک جی بہت دیر ہوئی
رقیب کرتے ہیں ہم سے یہی گلہ اکثر

☆☆☆☆

غزل

طاری ہوا کچھ ایسے مجبوریوں کا موسم
ٹلتا نہیں کسی پل یہ دوریوں کا موسم

اے دل نہ آہیں بھرتا نہ سینہ چاک کرتا
جو چاہیں ظلم ڈھائیں بے نوریوں کا موسم

ہر غم گلے لگا لے ہو کر رضا سبھی سے
پلٹے گا اب کبھی نہ وہ چوریوں کا موسم

اب بھول جا خدارا باتیں وہ نرم و نازک
وہ مشکبار گیسو وہ لوریوں کا موسم

جان بیچ کر بھی نازکؔ تم خوش نہ رہ سکو گے
تقدیر میں ہے تیری ناپوریوں کا موسم

☆☆☆☆

غزل

زہر کو قند، دواؤں کو زہر کہتے ہیں
کتنے نادان ہیں جو شب کو سحر کہتے ہیں

مٹا رہے ہیں خود ہی سارے نشان رستوں کے
سوئے منزل چلیں آؤ جو ادھر کہتے ہیں

ریت سب بدلو مگر چہرے نہ بدلو اپنے
قیمتی ہیں بہت تمہارے گوہر کہتے ہیں

کھلے ہیں پھول جو دو چار موسمی لوگو
نہیں بہار کے آثار یہ شجر کہتے ہیں

اک کلی پر نہ لٹاؤ کبھی گلشن نازک
یہ بات میں نہیں سب اہل نظر کہتے ہیں

☆☆☆☆

غزل

دل ہی سنتا نہیں صدا دل کی
کوئی کیسے کرے دوا دل کی

نکلا چاہتا ہے توڑ کر سینہ
آ گئی پھر کہیں قضا دل کی

کیسے قائم رہے اب ہوش ، حواس
کوئی لیتا نہیں دعا دل کی

بے خودی لے گئی مگر ورنہ
وفا بنتی نہ یوں جفا دل کی

دل ہی تھا یارو ٹوٹ پھوٹ گیا
اور بتلائیں کیا ادا دل کی

تڑپ رہا ہے ازل سے نازک
ختم ہوتی نہیں سزا دل کی

☆☆☆☆

غزل

جب سے گریباں چاک ہوا ہے
ہر کوئی مشتاق ہوا ہے

تجھ سے ہوئی ہے پذیرائی کب
تجھ کو کب اشتیاق ہوا ہے

برق گری نہ شاک لگا ہے
پیار میں تیرے راکھ ہوا ہے

حکم کرو تم ہم پہ صادر
دل پہ کب اطلاق ہوا ہے

زخموں سے سجا دل آؤ دیکھو
نازکؔ دامن چاک ہوا ہے

☆☆☆☆

غزل

ہمیں یہ فکر کہیں وہ خفا نہ ہو جائے
وہ چاہتا ہے نشانہ خطا نہ ہو جائے

تجدیدِ عہد میں کب کا پہل کر دیتا
مگر یہ ڈر ہے کہیں وہ خدا نہ ہو جائے

گردشِ وقت سے حالات بدل جاتے ہیں
وفا ہی اپنی کہیں کل سزا نہ ہو جائے

وہ بزمِ نور ہے واں اذنِ دید ناممکن
یہ مرضِ عشق ہے یہ لا دوا نہ ہو جائے

یہ کشمکش نہ جانے کب تلک رہے نازکؔ
ذرا سی بات ہے دیکھو، سوا نہ ہو جائے

☆☆☆☆

نظم

پھیلا کے ہر ایک سمت حبس ناچ رہی ہے
نظروں میں ہر کسی کی ہوس ناچ رہی ہے

بڑھنے لگے جب حرص کے ذہنوں میں تناؤ
ما جاؤں میں ٹوٹ جاتا ہے بچپن کا لگاؤ
نفرت دلوں میں بوئے ہمارے یوں ہر گھڑی
جاتی نہیں دلوں سے اسے جتنا ہٹاؤ
دیتی ہوئی محشر کی جرس ناچ رہی ہے

نظروں میں ہر کسی کی ہوس ناچ رہی ہے

پھولوں سے تازگی اور مہک چاٹ رہی ہے
نغموں سے شاعروں کی لہک چاٹ رہی ہے
آنکھوں میں راحتوں کے حسیں جال بچھا کر
گلشن سے طائروں کی چہک چاٹ رہی ہے
کر کے ہر ایک شے کو نجس ناچ رہی ہے

نظروں میں ہر کسی کی ہوس ناچ رہی ہے

کہنے کو تو ہر غم سے یہ آزاد کرے گی
اس دورِ پریشاں میں ہمیں شاد کرے گی
مر کر ہی نکل پائیں شاید اس کے اثر سے
اک روز یہ ایسے ہمیں برباد کرے گی
اوڑھے ہوئے کمخواب و اطلس ناچ رہی ہے

نظروں میں ہر کسی کی ہوس ناچ رہی ہے

دن، رات بھگائے ہمیں یہ زر کے واسطے
آخر بھلائے ہم سے یہ اس گھر کے واسطے
نازک دلوں میں اُنس نہ خلوص ہے کوئی
سو سر کٹوائے گی ہم سے اک سر کے واسطے
دے دے کے جو دنیا کا درس ناچ رہی ہے

نظروں میں ہر کسی کی ہوس ناچ رہی ہے

☆☆☆☆

غزل

آئی نہ رو برو پھر، جاں تند خو ہماری
ہوتی رہی گلوں سے بس گفتگو ہماری

دل سے بھلائیں کیسے اک دوسرے کو اب تو
ہم اس کی آرزو ہیں وہ آرزو ہماری

سوچے نہ کوئی سمجھے وہ دل کی بات لیکن
ہونے لگی ہیں باتیں اب کو بہ کو ہماری

نغمے الاپتے ہیں دن رات جس کلی کے
ہم سے چرا گئی ہے وہ رنگ، بو ہماری

لگتی ہے جو بظاہر پتھر کی ایک مورت
رہتی ہے خوشبو بن کے وہ چار سو ہماری

بجلی گرائے چاہے، طوفان بن کر آئے
اس بار گفتگو ہے اب رو برو ہماری

بنتی ہے جو سدا سے بے مہر بے وفا سی
سب آزما رہی ہے وہ جستجو ہماری

دامن بچا کے گذرے نازک وہ لاکھ لیکن
ہو کے وفا رہے گی پھر سرخ رُو ہماری

غزل

بد دل ہوا کرے نہ پشیماں ہوا کرے
ہو جس قدر بھی عشق میں زیاں ہوا کرے

اپنی تو حوادث سے عبارت ہے زندگی
میرے لیے کوئی نہ پریشاں ہوا کرے

مانا بڑی کٹھن ہے راہِ عشق اے جگر
مشکل نہ اس قدر بھی جانِ جاں ہوا کرے

آندھی ، اندھیری رات سیاہ ، بخت ، تنہائی
ظالم کسی گھڑی تو مہرباں ہوا کرے

سن لے بس ایک بار ہی نازک روداد غم
پھر شوق سے ہم سے وہ گریزاں ہوا کرے

☆☆☆☆

غزل

نہ تنہائی گوارہ ہے نہ دل کو بزم آرائی
خدا جانے ہمیں قسمت یہ کس مشکل میں لے آئی

نہ ہی راحت پہ آمادہ نہ ہی چاہت کا دلدادہ
نہ ویرانوں میں یہ بہلے نہ راس آتی ہے زیبائی

کبھی پھولوں کو یہ مسلے کبھی کانٹوں کو یہ چھوئے
کوئی کہتا ہے دیوانہ۔ کوئی کہتا ہے سودائی

کسی کے غم میں ہو شامل نہ اپنا درد بتلائے
شکن دیکھی جبیں پہ نہ خوشی کوئی نظر آئی

فضاؤں میں گھٹن سی ہے ہواؤں میں جلن سی ہے
شہر ہے ڈوبنے والا گھٹاؤں سے خبر آئی

بڑا مشکل ہے اب جینا ہے نازک دور میں نازک
نہ اپنوں میں کوئی اپنا نہ غیروں میں پزیرائی

غزل

ستانے لگی پھر جلن دھیرے، دھیرے
چلی آؤ اے گل بدن دھیرے، دھیرے

ہوئی ہے خفا جب سے بادِ بہاری
اجڑنے لگا ہے چمن دھیرے، دھیرے

چلو پھر سے کنجِ گلستان سجائیں
چلو پھر کریں کچھ سخن دھیرے، دھیرے

سجا کے تو دیکھو ذرا باغ انجم
مٹا دیں گے نقشِ کہن دھیرے، دھیرے

لٹا دوں گا سارے کے سارے تجھی پہ
کھلائے گا گل جو مِلن دھیرے، دھیرے

مِلی زندگی اک نئی حسرتوں کو
کِھلی جب وہ غنچہ دہن دھیرے، دھیرے

اڑاتی رہی رات بھر ہوش نازک
چٹکتی کلی اک سجن دھیرے، دھیرے

غزل

یہ جو دشمن مرے زمانے ہیں
تیری چاہت کے شاخسانے ہیں
جس کو دیکھو تیری ہی بات کرے
ہر زبان پر تیرے فسانے ہیں
تنکے چن چن کے گھر بنایا ہے
آندھیوں سے بھی دوستانے ہیں
دل میں کیا ہے تیرے خدا جانے
نین تو پیار کے پیمانے ہیں
یا الٰہی وفا کی کر بارش
لوگ اس نام سے بیگانے ہیں
روپ دھاریں جو عشق میں پل، پل
سب تری دید کے بہانے ہیں
ہم سے کترا نہ، ساقی نین ملا
دوست ہم آشنا پرانے ہیں
تشنگی جا۔ وبال جان نہ بن
ہر گلی میں رقیب خانے ہیں
دل نہ توڑو کبھی کوئی نازک
پیار کے دیپ گر جلانے ہیں

غزل

شہر بھر میں یوں تو اپنے پارسا کوئی نہ تھا
بے نوا گلشن میں ہم سا بے قبا کوئی نہ تھا

ڈھونڈتا پھرتا رہا لے کر میں ہاتھوں میں جگر
اہلِ دل ہر سو ملے پر دل ربا کوئی نہ تھا

چاند تارے چاہتے تھے نہ ہی نیر کی کرن
جب تلک کاکل سے دل کا سلسلہ کوئی نہ تھا

رو پڑے یوں آج ل کے زخم جتنے تھے نہاں
اشک سوئی کا کسی میں حوصلہ کوئی نہ تھا

جستجو تھی زندگی بھر، راحت و فرحت ملے
پر خوشی کا اس گلی میں راستہ کوئی نہ تھا

ساز دل کو چھیڑ کر صرصر چلی بادِ نسیم
کھل گئی جب آنکھ تو اتا پتہ کوئی نہ تھا

بے مثل تھی، بے ریا، معصوم، نازک، پارسا
زندگی کا جب جہاں سے واسطہ کوئی نہ تھا

☆☆☆☆

غزل

نہیں منظور غیروں سے اگر اسرار کی باتیں
کوئی جلوہ دکھا دینا سکھا دے پیار کی باتیں
کوئی کافر نہ کر جائے بسیرا پھر میرے دل میں
ادھوری ہی نہ رہ جائیں گل، گلزار کی باتیں
محبت کی تمنائی نظر دیدار کی پیاسی
تلاشِ موسمِ گل میں کرے دیدار کی باتیں
میرا دامن بھی بھر دینا کبھی جوش محبت میں
سنائے گی بھلا کب تک محبت ہار کی باتیں
محبت کے سمندر سے اگر اک جام مل جائے
دلوں سے ہم بھلا دیں گے سبھی سنسار کی باتیں
اٹھا دینا اب پردے سے پسِ پردہ سے سب پردے
تمنا ہے یہی اب تو کریں اس پار کی باتیں
سمجھتے تھے کبھی ہم بھی محبت موج میلہ ہے
فنا فی لذات میں ساری یہ باہمی پیار کی باتیں
نوازش مہربانی ہو ذرا ناچیز نازک پر
ستاتی ہیں بہت اب تو ہمیں اغیار کی باتیں

غزل

من بن میں لگے نہ صحرا میں راس آئے حسن نہ زیبائی
سو جتن کیئے پھولوں نے مگر اس دل کی کلی نہ مسکائی

ہر شاخ سجی یوں کلیوں سے ہر سمت بہاریں ہوں جیسے
اک بار جو خواب میں دیکھی تھی وہ زلف کہیں نہ لہرائی

لے کر نہ پھرو دل چاک جگر گلشن پہ لٹیرے ہیں قابض
ان خون اگلتی گلیوں میں ہو گی نہ کسی کی شنوائی

کل چشم غزالاں تھی برہم جس پر بھی اٹھی وہ راکھ ہوا
سر تھام کے رہ گئے اہلِ خرد کچھ کام نہ آئی دانائی

کاسہِ گدائی بھر دنیا اک نور کا جلوہ دکھلا کر
کل طور سجا ہوگا لیکن ہو گا نہ تیرا یہ سودائی

تقدیر کا لکھا تھا نازک یا چال عدو کی کام آئی
برسوں کی ریاضت لے ڈوبی اک شوخ سی نازک انگڑائی

☆☆☆☆

غزل

بے برگ، بے ثمر، نہ یہ بے نشان ہو گی
اب زندگی کسی کی نہ یہ بے امان ہو گی
دل سے نکال دینا فردا کے وسوسے سب
بادِ صبا ہماری اب ترجمان ہو گی
راحت، خوشی، تبسم ہر سو رچی رہے گی
مہکی ہوئی فضا میں خوشبو جوان ہو گی
طاری، رہیں گے ہر دم سرشاریوں کے موسم
حق بات کی محافظ اب ہر زبان ہو گی
دنیا مثال دے گی ایسی ہماری لوگو
سوچوں سے بھی کسی کی اونچی اڑان ہو گی
الفت، خلوص، چاہت بڑھتی رہے گی ہردم
رنجش کوئی دلوں کے نہ درمیان ہو گی
غم کے گلوں سے نازک خوشیاں کشید ہو نگی
روٹھی ہوئی فضا یوں اب مہربان ہو گی

☆☆☆☆

غزل

کوئی اقرار کی صورت، نہ ہی انکار کی صورت
پریشاں کر گئی ایسی پریشاں یار کی صو رت

ستم سہہ کے زمانے کے جو دل خاموش رہتے ہیں
زمانہ دیکھ پڑھ لیتا ہے سب اشعار کی صورت

بڑی مدت ہوئی برسے نہ تیر ان کی جفاؤں کے
نکلتی ہی نہیں یارو کوئی دیدار کی صورت

زمانہ اس سے بڑھ کر اور کیا ہم کو ستائے گا
مسل ڈالا وہ دل جس میں سجی تھی یار کی صورت

لٹے یوں قافلے دل کے سرراہ وفا لیکن
نہ راہزن یاد ہے کوئی نہ ہی سردار کی صورت

دعا مانگی ہی تھی ہم نے ابھی نازک بہاروں کی
خزاں چاروں طرف سے آگئی یلغار کی صورت

غزل

خنجر جفا کا جس نے سینے میں ہے اتارا
روتا رہا انہیں کو پہلو میں دل ہمارا

جائیں جو بزم میں تو ماتھے پہ شکن ڈالیں
پھرنا گلی، گلی بھی ان کو نہیں گوارا

مت پوچھ کیسے گزری وقت کی رات ہم پہ
تڑپے یہ مثلِ بسمل شب بھر اسے پکارا

آنے دو حشر کا دن پھر دیکھنا تماشا
سب کو بتائیں گے ہم اک اک ستم تمہارا

جھٹلاؤ شوق سے تم شوقِ بہار لیکن
کلیاں کہیں نوشی کی کر جائیں نہ کنارا

کرتا ہے شوخیاں جو منجدھار میں بھی نازک
مجبوریوں نے دیکھو جاں کس قدر سنوارا

☆☆☆☆

غزل

شریک غم بنا لیتے اسے اپنا تو اچھا تھا
دل پر نم دکھا دیتے اسے اپنا تو اچھا تھا

نہ یوں رنج و الم کے سائے ہم پہ بولتے دھاوا
متاعِ جاں بنا لیتے اسے اپنا تو اچھا تھا

نہ ملتیں خاک میں شاید نہ کام نیکی کے
جو راز دل بتا دیتے اسے اپنا تو اچھا تھا

درِ نایاب چاہت کے کبھی ڈھلتے نہ قصوں میں
کوئی قصہ سنا دیتے اسے اپنا تو اچھا تھا

طلب کرتے نہ جام جم وہ نازک موج میں آکر
پلاتے اِک جو جامِ جم اسے اپنا تو اچھا تھا

☆☆☆☆

غزل

تڑپ اے دل نہ کر شکوہ خدارا ہم سے دیوانے
مقدر سے ملے ہم کو یہ تنہائی یہ ویرانے

کھٹکتا ہے ترا کھلنا سر محفل بہت سوں کو
ذرا سی بات ہوتی ہے بنا دیتے ہیں افسانے

پلانا خون دل لیکن نہ دینا ہاتھ میں دامن
نہ جانے کون سے لمحے بنیں اپنے یہ بے گانے

مٹا سکتا ہے کون اپنے مقدر کی سیاہ بختی
فریب فردا دے دے کر لگا ہوں دل کو بہلانے

ابھی سنبھال کے رکھنا محبت کے تو گوہر سب
ابھی مدہوش ہیں سارے لٹا نہ یونہی دردانے

ستانے آ گئی پھر، پھر کے نازک عید تو پھر کیا
بہت دل گیر ہو دل جب اٹھا لائیں گے مے خانے

☆☆☆☆

غزل

یہ چندا، یہ تارے ترے منتظر ہیں
در و بام سارے تیرے منتظر ہیں

نکل آنا چندا کہیں سے خدارا
یہ دل کش نظارے ترے منتظر ہیں

تمہیں سے تو آباد ہے دل کی دنیا
یہ ساحل، کنارے ترے منتظر ہیں

کہا تھا یہ کس نے ذرا یاد کرنا
یہ بجلے کے دھارے ترے منتظر ہیں

گذر ہی نہ جائے ستاروں کا موسم
نظر کے شرارے ترے منتظر ہیں

کہیں رہ نہ جائیں میرے خواب تشنہ
جو صدیوں سے پیارے ترے منتظر ہیں

کہاں کھو گئے ہو میری جان نازکؔ
دل و جاں ہمارے ترے منتظر ہیں

غزل

کوئی شام سندر، نہ صبح سہانی
بتاؤں تو کیسے بھلا زندگانی

چٹکتی کلی کوئی بہلائے دل کو
نہ دے کچھ مزہ ذوق، بادہ خوانی

سنا ہے کہ ہوتا ہے پھر عشق تازہ
سنائیں کبھی جو کہانی پرانی

جوانی سے جتنے تھے بیزار کل تک
ستائے اب اتنی ہی تری جوانی

میں پت جھڑ میں لاؤں ستارے کہاں سے
زمانہ تو چاہے سدا گل فشانی

کروں کیا میں نازکؔ سمجھ میں نہ آئے
کوئی دانہ گھر میں نہ اک بوند پانی

☆☆☆☆

غزل

دل کو اب ضبط غم کا یارہ نہیں رہا
تجھ سے ملے بنا کوئی چارہ نہیں رہا

بیٹھے تھے سر جھکائے تصور میں ازل سے
خوابوں پہ اب مگر وہ گذارہ نہیں رہا

الفت عجیب چیز ہے، چاہت عجب بلا
جاں دے کے بھی لگا کہ خسارہ نہیں رہا

اب ڈوبنا ہی شاید مقدر میں ہے لکھا
اب دسترس میں کوئی کنارہ نہیں رہا

سونی پڑی ہوئی ہے اگر دل کی انجمن
اس کا بھی رنگ و روپ وہ تارہ نہیں رہا

نازکؔ چلیں اب آؤ کسی اور نگر کہ
اب شہر کا پہلے سا نظارہ نہیں رہا

☆☆☆☆

غزل

جذبات کر رہے ہیں جس بات کا تقاضا
ہے بر خلاف اس کے حالات کا تقاضا

کھلنے کی آرزو میں سب حسرتوں کی کلیاں
رو، رو کے کر رہی ہیں برسات کاتقاضا

دل مضطرب نہ ہوتا پتھر کی سنگ دلی پر
کر دے گا موم اس کو دن، رات کا تقاضا

پھولوں کی آس میں پھر کانٹے نصیب ہوں گے
بھولے سے بھی نہ کرنا سوغات کا تقاضا

اب تو برس لے ظالم اے آسماں غدار
جذبات کا نہیں ہے صدمات کا تقاضا

نشتر چبھو کے دل میں سرگوشیوں میں نازک
ہنس ہنس کے کر رہے ہیں نغمات کا تقاضا

☆☆☆☆

غزل

کیا کروں دل مری دسترس میں نہیں
مان تھا جس پہ کل آج بس میں نہیں

بات سیدھی ہے پھر بھی نہ سمجھے یہ دل
بندگی میں جو رس ہے۔ ہوس میں نہیں

پیار ہوتا ہے صدیوں کے بعد امر جاں
اک برس۔ دو برس نو برس میں نہیں

میں جھکوں کیوں زمانے کے پاؤں پڑوں
ایک انسان ہوں کوئی خس میں نہیں

کرتا نازک یونہی اپنی پرواز کہ
اب کے قسمت کا تارہ نجس میں نہیں

☆☆☆☆

غزل

روزِ اول سے جن کے صدقے سر پہ تھی جو طاری شام
آج انہی کی خاطر ہم نے دی وہ بیچ کنواری شام
فردا کا کچھ غم تھا دل کو نہ ہی رات کی سوچ کوئی
اپنی ہر اک صبح غزل کی کرتی تھی سرداری شام
شکوہ، شکایت ہم کو کسی سے۔ نہ ہی کسی کو ہم سے گلہ
سچ پوچھو تو اک صبح تھی ہم نے جو بے گزاری شام
سوئے پڑے تھے پھول کی مانند کھلتی رات کی بانہوں میں
دن ہوتا تھا رات کی مانند۔ رات ہوتی تھی ساری شام
میں ہی نہیں افسردہ اکیلا جھانک لو گلشن میں نادان
دیکھو کیسے تڑپ رہی ہے کل کی راج دلاری شام
خوش ہو جاؤ۔ ناچو، گاؤ اے سردارو، اے دلدار
اپنے ہاتھوں جان سے ماری، جان سے اپنی پیاری شام
موسم کے اک وار سے نازک ہو گیا خالی دامنِ دل
فکرِ فردا پی گئی ساری جتنی تھی سرشاری شام

غزل

جان دے دے نہ جاں بلب دیکھو
جان روٹھو نہ بے سبب دیکھو

خاک ہو جائیں گے سبھی ارماں
دل پہ ڈھاؤ نہ یوں غضب دیکھو

زندگی کس طرح کٹے اس کی
جس سے گزرے نہ ایک شب دیکھو

مثلِ بسمل تڑپ رہا ہے جگر
کیسے چپ ہو یہ بے ادب دیکھو

میری قسمت سے ہو نہ تم خائف
چشم بینا مری طلب دیکھو

ہنستے دیکھا نہ خوش کبھی نازک
روتا رہتا ہے دل کو جب دیکھو

غزل

پلایا خون دل ہم نے جنہیں بھر بھر کے پیالوں میں
ہمیں سمجھاتے ہیں آ کر سمجھ کر نونہالوں میں

بڑی مشکل سے دفنایا تھا دل کو ہم نے سینے میں
نکل آئے وہ ظالم پھر سجا کے پھول بالوں میں

نہ ملنے کی قسم کھائی ہے جس نے تا حشر ہم سے
ستاتے ہیں بہت آ کر ہمیں خوابوں خیالوں میں

چھپایا ہے جنہیں دل میں۔ چرا کے ساری دنیا سے
انہی کا ذکر ہوتا ہے مرے سارے حوالوں میں

خرد کی مان لی نازک تو صدیوں کا سفر ہو گا
اندھیرے چھوڑ دے یک دم۔ نکل جاتا اجالوں میں

☆☆☆☆

غزل

اجنبی بن کے ملا جب سے میرا یار مجھے
بے وفا لگتی ہے ہر شے سر بازار مجھے

گھر سے جنگل کبھی جنگل سے شہر جاتا ہوں
چین آتا ہے کسی پل نہ ہی قرار مجھے

بوسے دیتا تھا روز و شب جنہیں محبت سے
درو دیوار لگیں اب وہی خوں خوار مجھے

جی میں آتا ہے کبھی سب کو قتل کر ڈالوں
کبھی دل چاہے کہ تم سب کرو سنگسار مجھے

کل پہ ٹالو نہ سنو آج ہی کچھ کر ڈالو
لے چلو کوچہ جاں چاہے سوئے دار مجھے

کل بھی حق پر تھا نازکؔ آج بھی سچ کہتا ہوں
کھول کے پیتا ہوں ہر غم نہیں انکار مجھے

غزل

نہیں گر وفا کا ارادہ کوئی
ستم سہنے کا اعادہ کوئی

تو نوری سے ناری ہے یا جل پری
تجھے چاہے دل سے پیادہ کوئی

جدائی گوارہ ہے تا زیست پر
ملن پہ بھی ہو اب آمادہ کوئی

یونہی باتوں باتوں دل آگیا
نہ پہلے تھا مرا ارادہ کوئی

یہ مانا کہ تم نہ کرو گے وفا
تو کر دیتا بے وجہ وعدہ کوئی

ہزاروں میں نازک ہے پہچان لے
بہت دل یہ بدلے لبادہ کوئی

غزل

ہے تلخ حقیقت کوئی داستان نہیں
خود ہم سے بڑھ کے ہم سے کوئی بد گماں نہیں

خود چاہتے ہیں ہم یونہی دل جلے ہمارا
ورنہ شہر میں دل کا مرہم کہاں نہیں

جاگیں یا سو رہے ہوں تم سامنے رہتے ہو
ہمیں تم سے پیارا کوئی اے جانِ جاں نہیں

پت جھڑ ہو کہ چمن میں جشن بہار ہو
چھپا ہی اب نظر میں کوئی گلستاں نہیں

نازک قلم سے کیوں پھر ٹپکنے لگا لہو
موسم کے بدلنے کا تو کوئی گمان نہیں

☆☆☆☆

غزل

مقدرو بھر کی کوشش لیکن نہ مٹنے پائے
مجبوریوں کے دلدل، محرومیوں کے سائے

دل کو بنا لیا ہے جب سے غموں کا مسکن
بھولے سے بھی خوشی یاں کوئی نظر نہ آئے

لکھے گئے ہیں جن کی تقدیر میں تلاطم
تڑپیں گے زندگی بھر وہ پھول بے نوائے

بہلا رہے ہیں خود کو بچتے حوادثوں سے
شاید اسی بہانے یہ رات بیت جائے

طاری نہ ہونے دینا سر پہ غموں کو نازک
نشتر ہزار دل پہ دنیا تیرے لگائے

☆☆☆☆

صوفیانہ کلام

جہانِ رنگ و بو چاہے نہ من اپنا مہارت کو
نگاہیں منتظر ہیں روح انور کی زیارت کو

میں خوشبو بن کے پھیلوں گا جہاں میں نور کی مانند
دلوں میں جذب کرنے دو ذرا سچ کی حرارت کو

جو سندیسہ دے بخشش کا، پیامبر ہو جو راحت کا
میں سننا چاہتا ہوں اب کسی ایسی بشارت کو

جسے چاہے یہ دم۔ جس دم اسے بس سامنے پاؤں
وہ طاقت بخش دے یا رب میرے نورِ بصارت کو

میرا پیشہ محبت ہے، میرا تیشہ قلم نازک
کروں گا کیا میں اپنا کر زمانے کی امارت کو

☆☆☆☆

نظم

پھیلا کے ہر ایک سمت جس ناچ رہی ہے
نظروں میں ہر کسی کی ہوس ناچ رہی ہے

بڑھنے لگے جب حرص سے ذہنوں میں تناؤ
ما جاؤں میں ٹوٹ جاتا ہے بچپن کا لگاؤ
نفرت دلوں میں بوئے ہمارے یوں ہر گھڑی
مٹتی نہیں دلوں سے اسے جتنا ہٹاؤ
دیتی ہوئی محشر کی جرس ناچ رہی ہے

نظروں میں ہر کسی کی ہوس ناچ رہی ہے

پھولوں سے تازگی اور مہک چاٹ رہی ہے
نغموں سے شاعروں کی لہک چاٹ رہی ہے
آنکھوں میں راحتوں کے حسیں جال بچھا کر
گلشن سے طائروں کی چہک چاٹ رہی ہے
کر کے ہر ایک شے کو نجس ناچ رہی ہے

نظروں میں ہر کسی کی ہوس ناچ رہی ہے

کہنے کو تو ہر غم سے یہ آزاد کرے گی
اس دورِ پریشاں میں ہمیں شاد کرے گی
مر کر ہی نکل پائیں شاید اس کے اثر سے
اک روز یہ ایسے ہمیں برباد کرے گی
اوڑھے ہوئے کمخواب و اطلس ناچ رہی ہے

نظروں میں ہر کسی کی ہوس ناچ رہی ہے

دن رات بھگائے ہمیں یہ زر کے واسطے
آخر بھلائے ہم سے یہ اس گھر کے واسطے
نازک دلوں میں انس نہ خلوص ہے کوئی
سو سر کٹوائے گی ہم سے اک سر کے واسطے
دے دے کے جو دنیا کا درس ناچ رہی ہے

نظروں میں ہر کسی کی ہوس ناچ رہی ہے

☆☆☆☆

غزل

نہ کچھ خواہش ہے پانے کی نہ کچھ کھونے کا ہے ارماں
ٹہلتے ہیں سدا اٹھ اٹھ کے گھبرائے جب دلِ ناداں

بہاریں من کو بھاتی ہیں نہ جاڑے راس آتے ہیں
نہ روتے ہیں نہ ہنستے ہیں بنے ہیں بت شب ہجراں

نہ اپنی آس ٹوٹے گی نہ ان کو ہوش آئے گا
بتا دیں گے یونہی جیون درِ سنگ کے بنے درباں

صبا لے جا ہمیں بھی ساتھ اس اندھیر نگری میں
بھڑک اٹھنے کو ہیں شعلے امڈ آنے کو ہیں طوفاں

چلے جاتے ہیں اے نازک یہی گر حکم حاکم ہے
بہت پچھتائے گا اک دن جلائے گا یہی فرماں

☆☆☆☆

غزل

ہو چکا کافی تیرا کل کا بہانہ چھوڑ دے
کھل بھی لے ظالم یونہی دل کو جلانا چھوڑ دے

مضطرب تو بھی بہت ہے مان لے میری طرح
مسکرا اور گنگنا رونا ، رلانا چھوڑ دے

مٹ گئی میری ہنسی اجڑے دیاروں کی طرح
مان لے اب تو خدارا آزمانا چھوڑ دے

عشق سچا ہو اگر تو چھپ نہیں سکتا کبھی
ہو چکا کافی تو اب چھپنا چھپانا چھوڑ دے

یا تو کر آباد دلِ نازک ہمیشہ کے لئے
یا تو کبھی کبھار کا یہ گدگدانا چھوڑ دے

☆☆☆☆

غزل

ٹوٹا ہوا دل لے کے ہم جائیں کہاں لوگو
اک پل نہ راس آئے نفرت کا جہاں لوگو

منزل کا پتہ کوئی نہ اپنی خبر ہم کو
آئے تھے کب کہاں سے پہنچے ہیں کہاں لوگو

غم پی گئے ہم سارے سب درد سہے لیکن
اب راز اگلتے ہیں زخموں کے نشاں لوگو

ارمان بھرے دل کو خود توڑ دیا ہم نے
سب پھول میں مرجھائے پتھر ہیں جواں لوگو

الزار اسے کیا دوں قسمت ہی تھی کچھ ایسی
خوشبو کی تمنا میں پائی ہے خزاں لوگو

پھولوں کی تمازت سے کانٹوں کی شرارت سے
بکھرے ہیں سرِ محفل نازک دل و جاں لوگو

☆☆☆☆

غزل

قفل ٹوٹے نہ کسی پل نہ ہی حصارِ چمن
سنبھالے بیٹھے ہیں کب سے درو دیوار چمن

گلوں کی کوئی تمنا نہ خوشبوؤں کی طلب
چمن میں رہنے دو بن کر ہمیں غبارِ چمن

ملی نظر تو کریں گے شکایتیں ساری
نسیمِ صبح، صبا۔ دیکھی نہ ہی نکھار چمن

نہ راحتوں کی طلب میں نہ تلخیوں کے عوض
وصالِ یار پہ چھوڑیں گے راہ گذارِ چمن

ستائے یونہی نہ کوئی گلو دھاں سے سنو
ہم ہی تو جانِ چمن ہیں ہم میں قرارِ چمن

لگائے بیٹھے ہیں امیدیں جان کر نازکؔ
کہاں نصیبِ غریباں۔ کہاں بہارِ چمن

☆☆☆☆

غزل

بے سکوں سی کر گئی کچھ اس طرح الفت تری
ڈھونڈتا پھرتا ہوں شعلوں میں صدا صورت تری

سرکشی و خودسری بھاتی نہیں اک آنکھ بھی
پیاری پیاری سی لگے ہے دل کو ہر عادت تری

سرزنش کرتا ہوں میں خود کو سدا لیکن مرا
دھیرے دھیرے دل چرا لے کر گئی الفت تری

دل تو یہ چاہے کہ الاعلانیہ تجھ سے ملوں
آڑے آ جاتی ہے پر میں کیا کروں حرمت تری

مان کر اپنا مجھے سر پر بٹھائیں گے سبھی
جب بھی کھل جائے گی دنیا والوں پہ یہ حالت تری

اپنی نظروں ہی میں گر جائے گا نازک دیکھنا
آزمائی جو کبھی بھوے سے ہے چاہت تری

غزل

ہجر کی رات ہے زندگی دوستو
آنکھ لگتی نہیں اک گھڑی دوستو

جن کو چاہا پرستش کی حد تک کبھی
وہ بھی کر کے چلے بے رخی دوستو

ہر قدم پہ نگاہیں ترستی رہیں
ہر قدم پر بڑھی تشنگی دوستو

لا کے غیروں کے آگے جھکایا مجھے
کیا سے کیا کر گئی مفلسی دوستو

وہ سدا مجھ پہ قائم نگاہ کرم
جن نے پی لی مری ہر خوشی دوستو

کچھ نہ چاہا کبھی اک کلی کے سوا
وہ بھی ہم کو مگر نہ ملی دوستو

کس سے ناز کہیں جا کے رنج و الم
کون کرتا ہے یاں دلبری دوستو

غزل

بیتے دنوں کی یاد میں پھر آج کیوں اداس ہے
جو کچھ نہ مل سکا اسے وہ آج تیرے پاس ہے

کیوں غم زدہ ہے اس قدر۔ کیا یاد کوئی آ گیا
میں کچھ نہیں سمجھ سکا کیا بات کوئی خاص ہے

چاہا تھا جسے تو نے دل اک خواب تھا۔ سراب تھا
ملتی نہیں یاں منزلیں۔ بجھتی نہ یہاں پیاس ہے

بکھر گئے اب خواب سب۔ اجڑ گئے شباب سب
رنگ لائے گی چاہت بھی کیا ہر چیز بے لباس ہے

جانا ہے اب کدھر مجھے۔ ہیں راستے بہت یہاں
منزل نہیں نازکؔ کوئی نہ دل میں کوئی پیاس ہے

☆☆☆☆

غزل

شب پھر یارو اِک ایسی عجب بات ہو گئی
چلے خود کو پکارنے تو ہوا ساتھ ہو گئی

دل کا دیا جلا کے سر عام رکھ دیا
راہ سفر میں جونہی کہیں رات ہو گئی

ہر سو بکھر گئے میرے وجود کے ذرے
روشن کچھ اس قدر میری حیات ہو گئی

چھیڑو نہ مجھے آ کے اے بہار انجمن
تھی زندگی کبھی اب سیاہ رات ہو گئی

کیا خواب تھا نازک کہ چلے سوئے مقتل
رستے میں جگر و جاں سے ملاقات ہو گئی

☆☆☆☆

دیوانہ

کاش میں بھی کوئی دیوانہ ہوتا — ہر اونچ، نیچ سے بے گانہ ہوتا
آگے پیچھے میرے زمانہ ہوتا — حاضر ہر دم جاں کا نذرانہ ہوتا
آنکھوں میں میری اک خمار رہتا — ہر کوئی مجھ سے ہوشیار رہتا
پھرتا رہتا یونہی گلی گلی میں — دکھ اٹھاتا کبھی اس زندگی میں
دیکھتا ہر کسی کو دیدے پھاڑے — لڑکھڑاتا سدا میں بےخودی میں
اہل عزت گھر کے کواڑ کھولے — دیکھ کر مجھ کو ہنستے ہولے، ہولے
ہر نظر مجھ پہ حقارت کی پڑتی — ہر زباں دل کے جلاتی پھپھولے
منچلے کچھ یوں مجھے پیار کرتے — گھنٹوں وہ میرا انتظار کرتے
میرے زخموں پہ چھڑک کر وہ نمک — ہر گھڑی مجھ کو اشکبار کرتے
لٹتا رہتا میں اور برباد ہوتا — کہیں میں شاد کہیں ناشاد ہوتا
دکھ اٹھاتا سب زمانے کے ناحق — حشر کے دن مگر آزاد ہوتا

☆☆☆☆

غزل

اٹھ جائیں گے یہاں سے ہے رات کا بسیرا
کہہ دو یہ آسماں سے ہے رات کا بسیرا

تم کو سنائیں لوگو کیا اتنا جان لو کہ
بچھڑے ہیں کارواں سے ہے رات کا بسیرا

نہ کہیں پہ ہے ٹھکانہ نہ ہی کوئی آشیانہ
مطلب ہے کیا جہاں سے ہے رات بسیرا

لے لیں دعائیں ظالم شب کے مسافروں پر
ہو جاؤ مہرباں سے ہے رات کا بسیرا

ہم آج چل پڑیں گے دیکھو خفا نہ ہونا
ہم لوگ بے نشاں سے ہے رات کا بسیرا

سو جاؤ تم بھی نازک یادوں میں محو ہو کر
اٹھنا ہے پھر وہاں سے ہے رات کا بسیرا

☆☆☆☆

غزل

صدا دل کی کبھی ناداں نظر انداز مت کرنا
بہارِ جاں پہ جانِ جاں بے جا ناز مت کرنا

چٹانیں ٹوٹ جائیں گی بہاریں روٹھ جائیں گی
قیامت خیز منظر ہے ابھی آغاز مت کرنا

زمانہ لاکھ بہکائے تمہیں تڑپائے دھکے دے
زمانے کی زباں میں دل کو بے آواز مت کرنا

معظم ہو تیری ہستی حسیں ہو لاکھ یہ بستی
خِرد کی بات کو دل پر کبھی ممتاز مت کرنا

بہاروں کی خبر دل کے ستاروں کو سُنا دینا
زمانے پر مگر ظاہر یہ نازک راز مت کرنا

☆☆☆☆

28 مئی 1998

چ کا اعلان جب چار سو ہو گیا
سرنگوں خود بخود وہ عدو ہو گیا

موت سے رات دن جو ڈراتا رہا
شادیانے خوشی کے جو گاتا رہا
جو دکھاتا تھا سب سے چھپاتا رہا
جو چھپاتا تھا سب کو دکھاتا رہا
جس گھڑی حق کے وہ روبرو ہو گیا
سرنگوں خود بخود وہ عدو ہو گیا
چ کا اعلان جب چار سو ہو گیا

لے کے کس کی نہ جائے قضا آ گیا
اوڑھ کر دوستی کی قبا آ گیا
چھین کر پاک بہنوں کی سر کی ردا
زیست کی ہم کو دینے دعا آ گیا
شہرہ چاغی کا جب کو بہ کو ہو گیا
سرنگوں خود بخود وہ عدو ہو گیا
چ کا اعلان جب چار سو ہو گیا

جس گھڑی ہم کو طاقت عطاء ہو گئی
قوم نازک بدست دعا ہو گئی
نور سے ہر ایک چہرہ چمکنے لگا
کفر پہ جیسے طاری قضا ہو گئی
نرم دل جس گھڑی تند خو ہو گیا
سرنگوں خود بخود وہ عدو ہو گیا
سچ کا اعلان جب چار سو ہو گیا

غزل

چھلنی کیا ہے کس نے جگر کچھ نہ پوچھئے
کیسے ہوئی ہے رات بسر کچھ نہ پوچھئے

کیوں کر ہوا وہ موم سے پتھر شبِ وصال
شعروں میں کیوں ہوا ہے اثر کچھ نہ پوچھئے

پہلے زباں سے ان کی ٹپکتا تھا شہد سا
کیوں اب ہے زہر جیسا اثر کچھ نہ پوچھئے

کیسے کیا ہے ان کے گلستاں کو زوفشاں
کیسے کریں گے اپنی سحر کچھ نہ پوچھئے

جھیلے ہیں کتنے دکھ دلِ نازک نے دوستو
زندہ رہا ہے کیسے بشر کچھ نہ پوچھئے

☆☆☆☆

غزل

اک بے کلی سی یارو دل میں مچل رہی ہے
شاید کسی بھور کی نیت بدل رہی ہے

آئی خزاں چمن کی رنگت اڑا گئی سب
بیٹھی شجر پہ چڑیا دل کو مسل رہی ہے

میں بھی کھلا تھا لیکن یارو خزاں سے پہلے
جینے کی ہر تمنا دل سے نکل رہی ہے

اک آرزو تھی اپنی اک جستجو تھی لیکن
خواہش تھی بچپنے کی دل سے نکل رہی ہے

میری زندگی کو نازک کوئی زندگی نہ چھیڑے
سوز جنوں میں دیکھو خود ہی پگھل رہی ہے

☆☆☆☆

غزل

جو رشتہ ٹوٹ گیا ہے وہ استوار نہ کر
خزاں کی رات ہے دل چاہت بہار نہ کر

شیشہ گروں میں ہے بہتر خموشی اے ناداں
اپنے ہاتھوں میں گریباں تار تار نہ کر

ہنسے گی یونہی یہ دنیا تمہاری حالت پہ
بھری بزم یہاں زخمِ دل فگار نہ کر

چلا گیا وہی جس کو یہاں ٹھہرنا تھا
یہ بات کہہ کے کہ اب میرا انتظار نہ کر

گزر گئی جو گزرنی تھی ہم پہ اے نازک
خواب تھے بکھر گئے اب یونہی تکرار نہ کر

☆☆☆☆

غزل

زندگی کیا ہے عدم بھول گئے
جتنے کھائے تھے زخم بھول گئے

دردِ الفت کی چارہ سازی میں
نین کیوں ہوئے پُرنم بھول گئے

کوئی وعدہ نہ کوئی سندیسہ
خوشی، خوشی ہر الم بھول گئے

ایک دل پہ بس اختیار نہیں
اور تو سارے ہی غم بھول گئے

جب سے خوابوں لگے ہیں پہرے
بہ خدا دین و دھرم بھول گئے

آؤ نازک ہم عید مل آئیں
وہ تو آنے کی رسم بھول گئے

غزل

دل تھا اک شیشہ مگر پتھر زمانہ کر گیا
تھی نہ اپنی بھی خبر خودسر زمانہ کر گیا

ڈھونڈنے نکلا تھا میں بھی گھر کا دروازہ مگر
چھلنی ، چھلنی دل مرا کیوں کر زمانہ کر گیا

اپنی فطرت میں نہیں یہ نفرتیں، یہ دوریاں
جانے کیوں لوگو بپا محشر زمانہ کر گیا

دور ویرانے میں دل۔ جائیں نہ تو پھر کیا کریں
شہر میں جینا مرا دوبھر زمانہ کر گیا

ہو گئے بدنام یوں نازکؔ جنوں وصل میں
بند ہم پہ شہر کا ہر در زمانہ کر گیا

☆☆☆☆

غزل

محبت کے کنول سارے تمہارے نام کر دیں گے
فلک کے چاند اور تارے تمہارے نام کر دیں گے

لبوں کو دو نہ تم جنبش حسیں آنکھیں ہی وا کر دو
ستاروں کے یہ لشکارے تمہارے نام کر دیں گے

ستانا اور نہ دل کو دیکھ اے کافر جوانی تم
بھرے بازار بنجارے تمہارے نام کر دیں گے

نظر اک ڈال دو آکر کبھی بحرِ محبت میں
سمندر پیاس کے مارے تمہارے نام کر دیں گے

سکونِ دل لٹا دینا کسی دم بام پہ آ کر
متاعِ جاں بے چارے تمہارے نام کر دیں گے

نہ دو زحمت شراروں کو اجی اک پھول کی خاطر
ہم اپنے جاں و دل پیارے تمہارے نام کر دیں گے

نظر سے چوم لینے دو ذرا نازک نظاروں کو
دہکتے دل کے انگارے تمہارے نام کر دیں گے

غزل

ذہن بنجر ہو گئے سب بام و در ویراں ہوئے
پھول سے پتیاں گریں سب باغ بے نشاں ہوئے

نہ کوئی رنگ نہ کوئی سر نہ حیاتی میں سرور
چاہتوں کے نام پہ ہم کتنے بے اماں ہوئے

پھول چن کے لائے تھے ہم جہاں کے مستعار
کچھ چمن پہ مٹ گئے کچھ نذر دوستاں ہوئے

جب تلک تھی چاہ خوش خوش دار سجاتے رہے
ہو گئے خاموش جب فریب جاں عیاں ہوئے

اڑ گئے ساقی کے رنگ مے خانے بند ہونے لگے
بزم میں مشہور تیری جب سے بادہ خواں ہوئے

کب تلک کترائے گی ہم سے بہار انجمن
پھول تو اپنے ہی تھے کانٹے بھی ہم زباں ہوئے

کھا گئی کس کی نظر جانے چمن کی جلترنگ
دھیرے دھیرے ہم سے نازک دور جاں جاں ہوئے

غزل

زندگی کے دشت میں پھرتے رہے یوں بے اماں
دھوپ آ پہنچی وہیں ٹھہرے قدم میرے جہاں

پیش قدمی کی سکت مجھ میں عزم واپسی
چاہتوں کے شہر میں ہم سے گئے کون و مکاں

گھیر کر لایا بھنور میں کھینچ کے شوقِ نمو
سنگ دل، دلبر ملے، اب نصیبِ کارواں

لوٹ کر تو آئیں گے گھر رات کے بھولے ہوئے
چاٹ لے گی جب مگر دل کی بہاروں کو خزاں

بزم میں گھٹنے لگا نہ جانے کیوں اب دم مرا
رند بھی مانوس ہیں ، ساقی کی بھی نازک زباں

☆☆☆☆

غزل

ابھی بچھڑی جوانی کی کہانی خواب لگتی ہے
ہمیں دل کی کہانی کی کہانی خواب لگتی ہے

سکوتِ شب وہ تنہائی وہ باران عنایات ہے
گلوں کی مہربانی کی کہانی خواب لگتی ہے

یزیدوں سے تھے صف آرا سدا جس کے لئے تنہا
اسی اک گھونٹ پانی کی کہانی خواب لگتی ہے

اداؤں میں بھری مستی نگاہوں میں حسین سپنے
محبت اور جوانی کی کہانی خواب لگتی ہے

سدا جان دے کے جس پر ہم ہمیشہ مان کرتے تھے
ابھی اس دل کی رانی کی کہانی خواب لگتی ہے

گئے موسم کہ سنتے تھے سب شیریں پیار کی باتیں
اب گزری خوش بیانی کی کہانی خواب لگتی ہے

گلوں کو چومنا نازک خوشی میں، جوش میں آکر
چمن میں نغمہ خوانی کی کہانی خواب لگتی ہے

غزل

زندگی جس ستم گر کو دی، نام کی
بھیک بھی نہ ملی اس سے اک شام کی

جگ میں جانے گئے ہم سفیرِ وفا
خونِ دل کے عوض یوں وفا نام کی

مرنے والے کا غم ہے کسی کو نہ دکھ
فکر لاحق رہی سب کو احرام کی

دل پہ خنجر چلے جس سے پتھر لگے
خیر مانگی سدا اس در و بام کی

بھر کے میخانے ان کو دیئے اور کیا
خم اٹھانا طلب ہو اگر جام کی

اپنی قسمت میں نازک لکھی رہ گئی
مٹی گوندھی ہوئی تھی جو آلام کی

غزل

اتنا تو اثر صدق بلا نوش میں ہوگا
سورج نہیں تو چاند ہی آغوش میں ہوگا

دامن میں سمیٹے تو کوئی دل سے لگائے
گن کوئی تو آخر اس سیاہ پوش میں ہوگا

اترا کے چلے کوئی نہ دنیا ہے بے ثبات
ہر تاج محل کل کسی پاپوش میں ہوگا

طاری ہے بے بسی جو ازل سے رہے مدھم
سب کچھ یہ جلا دے گا اگر جوش میں ہوگا

خوابوں میں بھی بخشے نہ جو نازک دل مدہوش
کیا ہوگا خدا جانے جو یہ ہوش میں ہوگا

غزل

جی لیا غم میں بہت اب تو خوشی کی بات ہو
زندگی کی بات ہو کچھ روشنی کی بات ہو

پھول دیں جو ہر قدم اے زندگی ان سے ملا
دشمنی سب کی مٹے اور دوستی کی بات ہو

مسکرائیں، گنگنائیں پھول اپنے چار سو
زندگی کے تذکرے ہوں زندگی کی بات ہو

چاندنی راتیں وہ اس کا روٹھنا دل ٹوٹنا
بات صدیوں کی لگے جیسے ابھی کی بات ہو

کیا کریں دل کا بھلا نازک چاہے یہی
ذکر اس کا ہو فقط، اس کی گلی کی بات ہو

دعا

دلِ ناداں کو دنیا سے میرے یوں ماورا کر دے
برا ہوں جس قدر اتنا مجھے یارب بھلا کر دے

ندامت سے نگاہ اپنی نہیں اٹھی کسی جانب
ذرا اپنی عنایت سے مجھے پھر سے اچھا کر دے

گرا ہوں پستیوں میں یوں کہ مقصد بھی بھلا بیٹھا
لگا دے اپنے رستے پر کرم اے کبریا کر دے

نہ دامن میں کوئی گوہر نہ سینے میں کوئی جوہر
انہیں لفظوں کو بخشش کا خدایا آسرا کر دے

میں پاپی ہوں بڑا لیکن جبیں رکھ دی ہے سجدے میں
خطا ہر درگزر کر دے، عطا اپنی رضا کر دے

کسی قابل نہیں نازک خدایا اپنی رحمت سے
پسندیدہ بنا اپنا غلام مصطفیٰ کر دے

غزل

نہ بدلی ہے بدلے گی روش اس کی ادا اس کی
جفا کیا ہے خدا جانے یہی ہے گر وفا اس کی

حواس، لاابالی سے رہے پل، پل پریشان سی
شکایت ہے نہ شکوہ ہے نہ لب پہ التجا اس کی

ملیں اک پل بھی نہ ہم دم، رہیں بس سامنے ہر دم
سمجھ آئے نہ دل جس کی کریں کیا اقتدا اس کی

نہ محفل میں وہ مسکائے نہ تنہائی سے گھبرائے
لگائے جان کر نشتر، بنے پھر خود دوا اس کی

قفل ٹوٹے کسی پل تو لب نازک کی بھولے سے
سزا دیں گے اسے لیکن ذرا دیکھیں خطا اس کی

نگاہِ ناز

کبھی یہ قتل عام کرتی ہے
کبھی ذرے دوام کرتی ہے
جس پہ پڑ جائے اک نظر نازک
کام اس کا تمام کرتی ہے

☆☆☆☆

وحشتِ غربت کے تقاضے کچھ اور
عیش و عشرت کے تقاضے کچھ اور
ہم ہیں یذیدیت سے صف آرا
بھولی چاہت کے تقاضے کچھ اور

☆☆☆☆

قسمیں کھاتے نہ دعوے کرتے ہیں
ہم جو کہتے ہیں کر گذرتے ہیں

☆☆☆☆

موسم دل فگار بدلے گا
گلوں میں خار زار بدلے گا
چاند راتیں منائیں گے ہم بھی
وصل میں انتظار بدلے گا

☆☆☆☆

دل کا مندر جلا کے دیکھ لیا
خود کو پتھر بنا کے دیکھ لیا
روش بدلی نہ ناز کؔ زندگی کی
بہت سر پہ چڑھا کے دیکھ لیا

☆☆☆☆

نہ کوئی تڑپا میری تڑپ پہ نہ کوئی اپنا ہوا پرایا
عجب زندگی گذاری ناز کؔ نہ کھل کے رویا نہ مسکرایا
مجھے دیا نہ سکوں تو کیا غم کوئی تو خوش ہو تیرے جہاں میں
شدادِ ثانی کا مرتبہ ہی بلند کر دے میرے خدایا

☆☆☆☆